

نظرات

۱۹۹۱ء کے وسط مدتی انتخابات بھی ہو گئے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں پارلیمنٹ میں مختلف جماعتوں کی جو پوزیشن سامنے آئی ہے اس کے مطابق کانگریس پارٹی نشستوں کے لحاظ سے سب سے بڑی پارٹی ہے۔ اس کو پارلیمنٹ میں دو سو پالیس کے قریب نشستیں حاصل ہوئی ہیں۔ اس کے بعد دوسری بڑی پارٹی ابھکر سامنے آئی ہے وہ بھارتیہ جنتا پارٹی ہے۔ اس کے ممبران کی تعداد ایک سو تیس کے قریب ہے۔ جنتا دل، کمیونسٹ، مارکسوادہ کمیونسٹ، تیلگو دیشم، سماج وادی جنتا دل اور دیگر آزاد ممبران کی تعداد کانگریس اور بھارتیہ جنتا پارٹی سے کم ہے۔

چالیس سال کی محنت، جدوجہد، تگ و دو اور ہر طرح کے پاپڑیلینے کے بعد ۱۹۹۱ء میں بھارتیہ جنتا پارٹی کو آخر اپنے مقصد میں اس حد تک تو کامیابی نصیب ہو ہی گئی کہ وہ پارلیمنٹ میں واحد اپوزیشن پارٹی کی صورت میں اپوزیشن کو ملنے والی تمام ہولیات کی حقدار ہو گئی۔ اپوزیشن لیڈر کو کابینہ وزیر کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے پارلیمنٹری لیڈر کو بھی وہی درجہ حاصل ہوگا۔

بھارتیہ جنتا پارٹی نے انتخابات کے دوران میں مذہبی نعروں کا جس طرح استعمال کیا اور سیکولزم کے بارے میں اپنے خیالات کو جس طرح ظاہر کیا اس سے

جون ۹۱ء

برہان دہلی

کشمیر کو آگاہ بھی کر رہے تھے مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بھارتیہ جنتا پارٹی اپنا پورا زور مندرجہ نمبروں کے ساتھ ایکشن لڑنے اور جیتنے میں لگا رہی۔ اس نے اس کی ذرا بھی پرواہ نہ کی کہ اس کے مذہبی لوگوں کو ایکشن میں استعمال کرنے کے خلاف کون کیا کچھ کہہ رہا ہے۔

۱۹۹۱ء کے وسط مدتی انتخاب کا اور اس سے پہلے ۱۹۸۴ء و ۱۹۸۹ء کے عام انتخابات کا اگر ہم تجزیہ کریں تو ہمیں ملک و قوم کے مفاد کے نظریہ کے تحت افسوس و تاسف اور مایوسی ہی ہاتھ لگے گی۔

ان تینوں الیکشنوں میں کہیں بھی سیکولرزم یا سوشلزم کی فتح یابی نہیں ہوئی۔ ۱۹۸۴ء میں شریعتی اندرا گاندھی کے قتل سے کانگریس کے لئے عوام میں ہمدردی پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں شری راجو گاندھی کی قیادت میں کانگریس پارٹی کو پنڈت جواہر لال نہرو کے زمانے سے بھی زیادہ پارلیمنٹ میں نشستیں دستیاب ہوئیں۔ اور ۱۹۸۹ء میں کانگریس کے خلاف غصہ نے مرکزی حکومت سے کانگریس کو بے دخل کر دیا۔ اور ۱۹۹۱ء نے ایک عجیب و غریب منظر ہی پیش کیا۔ کانگریس کے خلاف ایک طرف جنتا دل،.. کمیونسٹ اور مارکسوادہ کمیونسٹ تھے تو دوسری طرف بھارتیہ جنتا پارٹی کا جذبات انگیز مذہبی محاذ تھا۔

اس سارے چکر میں بھارتیہ جنتا پارٹی نے اپنے آپ کو جس طرح سنبھالا وہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک انہونی کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ مرکز میں تو بھارتیہ جنتا پارٹی حکومت بنانے سے کسی طرح رہ ہی گئی ہے۔ لیکن ہندوستان کے سب سے بڑے صوبہ یوپی میں اس کی حکومت کی تشکیل ہو گئی ہے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ بہت بڑی بات ہے۔ ملک کے سیکولرزم کے جاں نثاروں کے لئے سخت تشویش کی بات بھی ہے۔ جو پارٹی ۱۹۸۴ء میں صرف ۲ نشستیں ہی پارلیمنٹ کی حاصل کر پائی تھی وہ ۱۹۸۹ء میں ۸۶ اور ۱۹۹۱ء میں ایک سو بیس حاصل کر گئی۔ اس سے بڑھ کر اس کے لئے کامیابی کی رفتار اور کیا ہو سکتی ہے۔ مستقبل میں

یہاں سے بھی اس بارہ منتخب تین ماحصل کر لے اور تمام سیکولر پارٹیوں کو اس میں
 اور کوئی اختلاف نہ ملے گا۔ اب اس حقیقت کی کوئی تردید نہ ہو۔
 ہمارے خیال میں اب وقت آگیا ہے کہ تمام سیکولر نظریات کے حامل اصحاب اور
 جماعتیں اس حقیقت کو باور کھنکھائیں کہ ہندوستان کے سیکولرزم کی حقارت و مخالفت
 کے لئے انھیں اپنے تمام اختلافات کو مٹا کر کوئی متحدہ پلیٹ فارم بنانا چاہیے۔
 بھارتیہ جنت پارٹی اپنی جگہ بنا چکی ہے۔ اور جتنی جگہ اس نے بنائی ہے اس کا منصوبہ
 اس سے بڑی جگہ بنانے کا ہے۔ اس کے اس منصوبہ کو کس طرح ناکام بنایا جائے اس
 کی ذمہ داری سب سے ضروری ہے۔ اب سیکولر نظریات کی حامل جماعتوں کے لئے ضروری ہے
 کہ انھیں ذاتی و سیاسی اختلافات فی الفور ختم کر دیتے چاہئیں اور خطرہ کا مقابلہ
 وہ جیسا ہی کر سکتے ہیں کہ جب وہ متحد ہوں گے۔ ان کا الگ الگ رہنا ہی بھارتیہ
 جنت پارٹی کی تقویت کا باعث ہے۔

اگر فرد انخواستہ بھارتیہ جنت پارٹی نے اپنے الیکشن مینی فیسٹو کے مطابق
 عمل درآمد شروع کیا تو ملک میں زبردست انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ بڑی
 مسجور رام جیم جموں کے سلسلے میں اس نے اپنے جس عزم کا اظہار کیا ہے وہ ملک کی
 فلاح کے لئے نیک شگون قطعاً نہیں ہے۔

شکر ہے خدا کا کہ مرکز میں اقتدار کا نگریں پارٹی کے ہاتھ میں ہے اس لئے
 کانگریس کی ذمہ داری ہے کہ وہ سیکولر قہر و قہر کی نگہداشت کرے۔ اگر کوئی
 میں بھارتیہ جنت پارٹی کی حکومت نے کوئی اعلیٰ سیکولر حرکت کی تو کر کے اس سے
 پوری طاقت سے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کمر بستہ ہونا ہے۔ یہ وہ کانگریس
 کے امتحان کا ہے، کانگریس کے سیکولرزم کے دعویٰ کی حقیقت کو جاننے کا ہے
 ہمیں امید ہے کہ کانگریس اپنے اس امتحان میں کامیاب ہوگی کیونکہ اسی میں ملک
 کی فلاح و ترقی کا راز ہے۔

جون ۱۹۶۱ء

۵

برہان دہلی

ہزاروں جنگ آزادی کے شہیدوں و مجاہدوں کی وارث کانگریس کی سب سے کڑی
آپشن کا یہ وعدہ ہے۔ اور ہر محب وطن ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ اس مشکل گھڑی
میں ملک و قوم کے مفاد کے غامض اتحاد و اتفاق کے ساتھ ملک و قوم کی تعمیر و ترقی میں
کوشاں رہے۔ !

بہر حال یہ وقت ہے اور صحیح وقت ہے کہ کانگریس سیکولرزم کے اصولوں پر
ایمانداری کے ساتھ عمل کرے۔ کانگریس کے لئے، ملک کے لئے اور ملک کے
عوام کی بھلائی کے لئے کانگریس کو ہر قیمت پر پوری پوری ایمانداری کے ساتھ ...
سیکولرزم کے اصولوں پر عمل کرنا ہی ہوگا۔ ورنہ !

گزارش

جوابی امور و خطوط ابت نیز منی آرڈر کرتے وقت اپنا خریداری نمبر
حوالہ دینا نہ بھولیں خریداری یاد دہانہ کی صورت میں کم از کم جس نام
سے آپ کا رسالہ جاری ہے۔ اس کی وضاحت ضرور فرمائیں۔
چیک سے رقم نہ روانہ کریں صرف ڈانٹ سے روانہ کریں۔ اور اس نام
سے بتائیں۔ ”برہان دہلی“ ”BURHAN DELHI“

پتہ۔ ماہنامہ ”برہان“ اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

کون سے مستحق کون ہیں؟

علمی و قلمی جہاد کی اہمیت

مولانا محمد شہاب الدین ندوی۔ ناظم فرقانہ اکیڈمی، بنگلور

(۳)
ظاہر ہے کہ جہاد کا قتالی (جنگی) مفہوم لے کر ہم موجودہ دور میں اس میدان میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ فوجی و عسکری اور سیاسی میدان میں آج ہم پوری طرح مغلوب بلکہ شکست خوردہ قوموں کے مقام پر کھڑے ہو گئے ہیں۔ لہذا جہاد کا دوسرا مفہوم (جو دراصل جہاد کی تعریف اور اُس کے مقصد کے لحاظ سے اول نمبر پر آتا ہے) اختیار کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اور اسی میں آج نہ صرف ہماری سلامتی بلکہ پوری انسانی دنیا کی سلامتی ہے۔ کیونکہ موجودہ دور "بین الاقوامی تعلقات" "حقوق انسانی" اور "فکر و نظر کی آزادی" کا دور ہے۔ اور پوری دنیا سمٹ کر ایک شہر اور ایک قبیلے کی طرح ہو گئی ہے۔ لہذا ان تمام اعتبارات سے موجودہ دور میں "قتالی جہاد" ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس قسم کا اقدام مسلمانوں کی خودکشی کے مترادف ہوگا۔ اس طرح اب جہاد کی واضح شکل "علمی جہاد" کی باقی رہ جاتی ہے، جس کو ہر دور، ہر ملک، ہر وقت اور ہر حال میں جاری رکھا جاسکتا ہے۔ اور یہی چیز جہاد کی اصل روح اور اس کی اسپرٹ ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں اسی قسم کے جہاد کا مظاہرہ "پُر امن طریقے سے" کیا تھا، جو ہمارے لئے ایک مثال اور نمونہ ہے کہ ہم مغلوب ہونے کی صورت میں یہی طریقہ اپنائیں۔

اب اس کے برعکس اگر معترض کو "قتالی جہاد" ہی پر اصرار ہے تو پھر اُن کے لئے خاموش ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ انہیں قرآن اور حدیث کے حکم کے مطابق فوراً جہاد عسکری کا بازار گرم کرنا چاہئے۔ ورنہ وہ خدا کی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے۔ نیز اس سلسلے میں اُن پر یہ بھی لازم ہوگا کہ وہ موجودہ دور میں بھی جہاد یا تو "ہاتھ سے کریں یا زیادہ سے زیادہ" "تلوار" سے۔ جدید ہتھیاروں کو وہ ہاتھ تک نہیں لگا سکتے۔ کیونکہ اُن کی نظر میں کسی "علت مشترکہ" کی بنا پر قیاس کرنا اور کسی منصوص حکم سے کسی غیر منصوص حکم پر استدلال کرنا جائز

کے مطابق جنگ صرف ہاتھ یا تلوار ہی سے کرنی پڑے گی اور جدید ہتھیاروں کا استعمال ان کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ (کیونکہ علی جہاد کو لسانی جہاد پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اور ان دونوں میں ”اعلائے کلمۃ اللہ“ کو مشترکہ علت قرار دینے سے معترض کی نظر میں شریعت پر قیامت آ جاتی ہے)

بہر حال اب خود ان کے فتنے کے مطابق ضروری ہے کہ وہ ہاتھ میں تلوار لے کر نکلیں اور لوگوں کو اس کے زور پر کلمہ پڑھوائیں۔ اگر ساری دنیا کے کفار کو نہ سہی صرف لکھنؤ ہی کے کافروں کو وہ اس طرح کلمہ پڑھوادیں تو واقعی ان کا یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔ مگر اس موقع پر یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو صرف اصطلاحی کافروں ہی کو قتل کرنا پڑے گا۔ کسی ملحد یا بے دین کو آپ ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ کیونکہ وہ اصطلاحاً ”کفار“ کی تعریف میں آتے ہی نہیں۔ اور چونکہ آپ کے نزدیک قیاس ناجائز ہے، لہذا آپ جدید قسم کے ”منکرینِ خدا“ کو کفار پر قیاس نہیں کر سکتے۔ ورنہ اس سے خود آپ ہی کے نقطہ نظر سے ”خرقِ اجماع“ لازم آئے گا۔ کیونکہ تمام مفسرین، محدثین، فقہاء اور قدیم علماء نے کفار کا جو اصطلاحی مفہوم مراد لیا ہے وہ وہی ہو سکتا ہے جو دور رسالت میں تھا۔ یعنی مشرکین جو ”کئی خداؤں“ کے قائل تھے۔ مگر جدید ملحدین چونکہ سرے سے خدا کے قائل ہی نہیں ہیں، لہذا آپ کے نقطہ نظر سے کسی ملحد کو قتل کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ اب آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے ؟

مگر یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ معترض اس قسم کا جہاد تو ہرگز نہیں کر سکتے اور نہ اس کا ارادہ ہی کر سکتے ہیں۔ ورنہ ان کا جو حشر ہوگا وہ سائے کی بات ہے۔ اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ اب جہاد کی جو دوسری شکل باقی رہ گئی ہے وہ بھی معطل و منسوخ ہو جائے۔ یعنی ”نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری“

قارئین کرام! آپ جانتے ہیں کہ اس کی وجہ کیا ہے ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد (چاہے

سطح چنانچہ معترض نے ڈاکٹر یوسف قرضاوی کے ایک درست قیاسی استدلال پر خواہ مخواہ تنقید کرتے ہوئے اسے ”شریعت پر قیامت ڈھانے والی بات“ قرار دیا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث اگلے باب میں آ رہی ہے۔ اور اس بحث کا